# ماہانہ تربیتی پروگرام-شریعت کی اہمیت اور ضرورت

## مطالعہ قرآن وحدیث | اگست-2024

شریعت اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے۔اس کی اہمیت کی بناپر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے اور مسلمانوں کے بیچ ایک عہد و میثاق قرار دیا ہے،(مائدہ 7:5)۔شریعت کی اصل اہمیت یہ ہے کہ یہ ہمیں دین کی اصل دعوت یعنی ایمان واخلاق کا ایک قابل عمل اور ایک پیمائشی(measurable)نمونہ فراہم کرتی ہے۔

اسلامی شریعت اور اسلامی قوانین انسانوں کے بنائے ہوئے نہیں ہیں بلکہ یہ اللہ کی بھیجی ہوئی شریعت اور اس کا بنایا ہوا قانون ہے،اسلام قبول کر لینے کے بعد ہر مسلمان کے لیے اس کو ماننا لازمی ہے،اور اللہ کی بنائی ہوئی شریعت میں کسی تغیر،ترمیم یا تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔شریعت اسلامی پر عمل کرنا اور اسلامی قوانین کا تحفظ ہر مسلمان کا لازمی فریضہ ہے،مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ نہ صرف عبادات بلکہ معاملات،اخلاق،معاشرت اور زندگی کے ہر معاملے میں اللہ کے حکم اور محمد رسول اللہ ﷺ کی سنت کو سامنے رکھے،اسی میں دنیاو آخرت کی کامیابی ہے۔ایک مسلمان کے لیے شریعت اسلامی سے کسی بھی صورت میں مفر کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

موجودہ دور میں اسلام دشمن قوتوں نے اسلامی شریعت کی قدامت پسندی،انتہاپسندی اور انسانی حقوق کے تصور سے متصادم ہونے کے مفروضے کو اتنی شدت اور تکرار سے بیان کیا ہے کہ آج بہت سے پڑھے لکھے مسلمان بھی اپنی سادہ لوحی میں اسلامی شریعت کو محض چند 'جابرانہ سزاوں' کا مجموعہ سمجھنے لگے ہیں۔لحاضہ اس بات کی ضرورت پہلے بھی تھی لیکن جتنی شدت سے آج ہے،شاید پہلے کبھی نہیں تھی کہ اسلامی شریعت کے صحیح خدوخال کو براہِ راست اس کے مصادر کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی جائے اور اس کے دنیامیں نفاذ کے جو فوائد اور رحمتیں بنی نوع انسان کیلئے اللہ ربّ العزت نے رکھی ہیں اس کو جاننے اور دنیا کو سمجھانے کی کوشش کی جائے۔

شریعت کے احکامات میں ایسی مصلحتیں پوشیدہ ہیں جن کے بغیر ایک مسلمان کی دنیاو آخرت برباد ہو جاتی ہیں۔علماء کرام اور فقہاء عظام نے شریعت کے ان اہم مصلحتوں کا ذکر کیا ہے اور یہ پانچ مصلحتیں یا مقاصد ہیں جنھیں مقاصد خمسہ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے وہ اس طرح ہیں۔ 1۔دین کی حفاظت۔2۔انسانی جان کی حفاظت۔3۔انسانی عقل کی حفاظت 4۔انسانی نسل کی حفاظت 5۔انسان کے مال کی حفاظت۔

اس ماہ کے تربیتی پروگرام میں ہم ان شاء اللہ شریعت کی اہمیت کے سلسلہ میں قرآن وحدیث ولٹریچر کا مطالعہ کرینگے۔

تمام وابستگان سے گزارش ہے کہ وہ شریعت اسلامیہ کی اہمیت اور اس کے مقاصد اور انسانی زندگی میں اس کے فوائد کو سمجھیں اور دوسرے انسانی نظام ہائے قوانین کے بنی نوع انسانی پر ہونے والے نقصانات کا تقابلی مطالعہ کرنے کی کوشش کریں تاکہ ہم اسلامی شریعت کی بالادستی اور اس کے فوائد کو تمام بندگان خدا تک پہنچائیں اور اسلامی شرعی قوانین پر پورے شرح صدر کے ساتھ عمل پیرا ہوں۔اللہ تعالی ہماری ان کاوشوں کو قبول فرمائے۔ امین۔

# مطالعہ قرآن

1. وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ۖ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ
اللَّهُ ۖ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۚ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ
أُمَّةً وَاحِدَةً وَلَٰكِن لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ ۖ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ
فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿48﴾ وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَن يَفْتِنُوكَ عَن
بَعْضِ مَا أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَن يُصِيبَهُم بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ
النَّاسِ لَفَاسِقُونَ ﴿49﴾ أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ ۚ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿50﴾ سورة
المائدة

- پھر اے محمدؐ! ہم نے تمہاری طرف یہ کتاب بھیجی جو حق لے کر آئی ہے اور الکتاب میں سے جو کچھ اس کے آگے موجود ہے اُس کی تصدیق کرنے والی اور اس کی محافظ و نگہبان ہے لہٰذا تم خدا کے نازل کردہ قانون کے مطابق لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور جو حق تمہارے پاس آیا ہے اُس سے منہ موڑ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور ایک راہ عمل مقرر کی اگرچہ تمہارا خدا چاہتا تو تم سب کو ایک امت بھی بنا سکتا تھا، لیکن اُس نے یہ اِس لیے کیا کہ جو کچھ اُس نے تم لوگوں کو دیا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے لہٰذا بھلائیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرو آخر کار تم سب کو خدا کی طرف پلٹ کر جانا ہے، پھر وہ تمہیں اصل حقیقت بتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہے ہو (48) پس اے محمدؐ! تم اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق اِن لوگوں کے معاملات کا فیصلہ کرو اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کرو ہوشیار رہو کہ یہ لوگ تم کو فتنہ میں ڈال کر اُس ہدایت سے ذرہ برابر منحرف نہ کرنے پائیں جو خدا نے تمہاری طرف نازل کی ہے پھر اگر یہ اس سے منہ موڑیں تو جان لو کہ اللہ نے اِن کے بعض گناہوں کی پاداش میں ان کو مبتلائے مصیبت کرنے کا ارادہ ہی کر لیا ہے، اور یہ حقیقت ہے کہ اِن لوگوں میں سے اکثر فاسق ہیں (49) (اگر یہ خدا کے قانون سے منہ موڑتے ہیں) تو کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے (50)

**تفسیر: تفہیم الْقرآن:**

یہاں ایک اہم حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ اگرچہ اس مضمون کو یوں بھی ادا کیا جا سکتا تھا کہ "پچھلی کتابوں" میں سے جو کچھ اپنی اصلی اور صحیح صورت پر باقی ہے، قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے "پچھلی کتابوں" کے بجائے "الکتاب" کا لفظ استعمال فرمایا۔ اس سے یہ راز منکشف ہوتا ہے کہ قرآن اور تمام وہ کتابیں جو مختلف زمانوں اور مختلف زبانوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئیں، سب فی الاصل ایک ہی کتاب ہیں۔ ایک ہی ان کا مصنف ہے، ایک ہی ان کا مدعا اور مقصد ہے، ایک ہی ان کی تعلیم ہے، اور ایک ہی علم ہے جو ان کے ذریعہ سے نوع انسانی کو عطا کیا گیا۔

فرق اگر ہے تو عبارات کا ہے جو ایک ہی مقصد کے لیے مختلف مخاطبوں کے لحاظ سے مختلف طریقوں سے اختیار کی گئیں۔ پس حقیقت صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ یہ کتابیں ایک دوسرے کی مخالف نہیں، مؤید ہیں، تردید کرنے والی نہیں، تصدیق کرنے والی ہیں۔ بلکہ اصل حقیقت اس سے کچھ بڑھ کر ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ سب ایک ہی "الکتاب" کے مختلف ایڈیشن ہیں۔

سورۃ المَآئِدَۃ 79

اصل میں لفظ "مُهَيْمِنً" استعمال ہوا ہے۔ عربی میں ھیمن یھمن ھیمنۃ کے معنی محافظت، نگرانی، شہادت، امانت، تائد اور حمایت کے ہیں۔ ھیمن الرجل الشیٔ، یعنی آدمی نے فلاں چیز کی حفاظت و نگہبانی کی۔ ھیمن الطائر علیٰ فراخہ، یعنی پرندے نے اپنے چوزے کو اپنے پروں میں لے کر محفوظ کر لیا۔ حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ لوگوں سے کہا انی داعٍ فھیمنوا یعنی میں دعا کرتا ہوں تم تائید میں آمین کہو۔ اسی سے لفظ ھمیان ہے جسے اردو میں ہمیانی کہتے ہیں، یعنی وہ تھیلی جس میں آدمی اپنا مال رکھ کر محفوظ کرتا ہے۔ پس قرآن کو "الکتاب" پر مھیمن کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے ان تمام برحق تعلیمات کو جو پچھلی کتب آسمانی میں دی گئی تھیں، اپنے اندر لے کر محفوظ کر لیا ہے۔ وہ ان پر نگہبان ہے اس معنی میں کہ اب ان کی تعلیمات برحق کا کوئی حصہ ضائع نہ ہونے پائے گا۔ وہ ان کا مؤید ہے اس معنی میں کہ ان کتابوں کے اندر خدا کا کلام جس حد تک موجود ہے قرآن سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ وہ ان پر گواہ ہے اس معنی میں کہ ان کتابوں کے اندر خدا کے کلام اور لوگوں کے کلام کی جو آمیزش ہو گئی ہے قرآن کی شہادت سے اس کو پھر چھانٹا جا سکتا ہے، جو کچھ ان میں قرآن کے مطابق ہے وہ خدا کا کلام ہے اور جو قرآن کے خلاف ہے وہ لوگوں کا کلام ہے۔

سورۃ المَآئِدَۃ 80

یہ ایک جملہ معترضہ ہے جس سے مقصود ایک سوال کی توضیح کرنا ہے جو اوپر کے سلسلہ تقریر کو سنتے ہوئے مخاطب کے ذہن میں الجھن پیدا کر سکتا ہے۔
سوال یہ ہے کہ جب تمام انبیاء اور تمام کتابوں کا دین ایک ہے، اور یہ سب ایک دوسرے کی تصدیق و تائید کرتے ہوئے آئے ہیں تو شریعت کی تفصیلات میں ان کے درمیان فرق کیوں ہے؟ کیا بات ہے کہ عبادت کی صورتوں میں، حرام و حلال کی قیود میں اور قوانین تمدن و معاشرت کے فروع میں مختلف انبیاء اور کتب آسمانی کی شریعتوں کے درمیان تھوڑا بہت اختلاف پایا جاتا ہے؟

سورۃ المَآئِدَۃ 81

یہ مذکورہ بالا سوال کا پورا جواب ہے۔ اس جواب کی تفصیل یہ ہے

(1) محض اختلاف شرائع کو اس بات کی دلیل قرار دینا غلط ہے کہ یہ شریعتیں مختلف مآخذ سے ماخوذ اور مختلف سرچشموں سے نکلی ہوئی ہے۔ دراصل وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے مختلف قوموں کے لیے مختلف زمانوں اور مختلف حالات میں مختلف ضابطے مقرر فرمائے۔

(2) بلاشبہ یہ ممکن تھا کہ شروع ہی سے تمام انسانوں کے لیے ایک ضابطہ مقرر کر کے سب کو ایک امت بنا دیا جاتا۔ لیکن وہ فرق جو اللہ تعالیٰ نے مختلف انبیاء کی شریعتوں کے درمیان رکھا اس کے اندر دوسری بہت سی مصلحتوں کے ساتھ ایک بڑی مصلحت یہ بھی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس طریقہ سے لوگوں کی آزمائش کرنا چاہتا تھا۔ جو لوگ اصل دین اور اس کی روح اور حقیقت کو سمجھتے ہیں، اور دین میں ان ضوابط کی حقیقی حیثیت کو جانتے ہیں، اور کسی تعصب میں مبتلا نہیں ہیں وہ حق کو جس صورت میں بھی وہ آئے گا پہچان لیں گے اور قبول کر لیں گے۔ ان کو اللہ کے بھیجے ہوئے سابق احکام کی جگہ بعد

کے احکام تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہ ہو گا۔ بخلاف اس کے جو لوگ روح دین سے بیگانہ ہیں اور ضوابط اور ان کی تفصیلات ہی کو اصل دین سمجھ بیٹھے ہیں، اور جنہوں نے خدا کی طرف سے آئی ہوئی چیزوں پر خود اپنے حاشیے چڑھا کر ان پر جمود اور تعصب اختیار کر لیا ہے وہ ہر اس ہدایت کو رد کرتے چلے جائیں گے جو بعد میں خدا کی طرف سے آئے۔ ان دونوں قسم کے آدمیوں کو ممیز کرنے کے لیے یہ آزمائش ضروری تھی، اس لیے اللہ تعالی نے شرائع میں اختلاف رکھا۔

(3) تمام شرائع سے اصل مقصود نیکیوں اور بھلائیوں کو پانا ہے اور وہ اسی طرح حاصل ہو سکتی ہیں کہ جس وقت جو حکم خدا ہو اس کی پیروی کی جائے۔ لہٰذا جو لوگ اصل مقصد پر نگاہ رکھتے ہیں ان کے لیے شرائع کے اختلافات اور مناہج کے فروق پر جھگڑا کرنے کے بجائے صحیح طرز عمل یہ ہے کہ مقصد کی طرف اس راہ سے پیش قدمی کریں جس کو اللہ تعالی کی منظوری حاصل ہو۔

(4) جو اختلافات انسانوں نے اپنے جمود، تعصب، ہٹ دھرمی اور ذہن کی اپج سے خود پیدا کر لیے ہیں ان کا آخری فیصلہ نہ مجلس مناظرہ میں ہو سکتا ہے نہ میدان جنگ میں۔ آخری فیصلہ اللہ تعالیٰ خود کرے گا جبکہ حقیقت بے نقاب کر دی جائے گی اور لوگوں پر منکشف ہو جائے گا کہ جن جھگڑوں میں وہ عمریں کھپا کر دنیا سے آئے ہیں ان کی تہ میں "حق" کا جوہر کتنا تھا اور باطل کے حاشیے کی قدر۔ سورۃ المآئدۃ 82
یہاں سے پھر وہی سلسلہ تقریر چل پڑتا ہے جو اوپر سے چلا آ رہا تھا۔

جاہلیت کا لفظ اسلام کے مقابلہ میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اسلام کا طریقہ سراسر علم ہے کیونکہ اس کی طرف خدا نے رہنمائی کی ہے جو تمام حقائق کا علم رکھتا ہے۔ اور اس کے برعکس ہر وہ طریقہ جو اسلام سے مختلف ہے جاہلیت کا طریقہ ہے۔ عرب کے زمانہ قبل اسلام کو جاہلیت کا دور اسی معنی میں کہا گیا ہے کہ اس زمانہ میں علم کے بغیر محض وہم یا قیاس و گمان یا خواہشات کی بنا پر انسانوں نے اپنے لیے زندگی کے طریقے مقرر کر لیے تھے۔ یہ طرز عمل جہاں جس دور میں بھی انسان اختیار کریں اسے بہر حال جاہلیت ہی کا طرز عمل کہا جائے گا۔ مدرسوں اور یونیورسٹیوں میں جو کچھ پڑھایا جاتا ہے وہ محض ایک جزوی علم ہے اور کسی معنی میں بھی انسان کی رہنمائی کے لیے کافی نہیں ہے۔ لہٰذا خدا کے دیے ہوئے علم سے بے نیاز ہو کر جو نظام زندگی اس جزوی علم کے ساتھ ظنون و اوہام اور قیاسات و خواہشات کی آمیزش کر کے بنا لیے گئے ہیں وہ بھی اسی طرح "جاہلیت" کی تعریف میں آتے ہیں جس طرح قدیم زمانے کے جاہلی طریقے اس تعریف میں آتے ہیں۔

# ماہانہ تربیتی پروگرام - شریعت کی اہمیت اور ضرورت

## مطالعہ قرآن وحدیث | اگست - 2024

2. يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿1﴾سورۃ الحجرات

- اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ اور اس کے رسول کے آگے پیش قدمی نہ کرو اور اللہ سے ڈرو، اللہ سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

**تفسیر: تفہیم الْقرآن:**

یہ ایمان کا اولین اور بنیادی تقاضا ہے۔ جو شخص اللہ کو اپنا رب اور اللہ کے رسول کو اپنا ہادی و رہبر مانتا ہو، وہ اگر اپنے اس عقیدے میں سچا ہے تو اس کا یہ رویہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ اپنی رائے اور خیال کو اللہ اور رسول کے فیصلے پر مقدم رکھے یا معاملات میں آزادانہ رائے قائم کرے اور ان کے فیصلے بطور خود کر ڈالے بغیر اس کے کہ اسے یہ معلوم کرنے کی فکر ہو کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ان معاملات میں کوئی ہدایت دی ہے یا نہیں اور دی ہے تو وہ کیا ہے۔ اسی لیے ارشاد ہوا ہے کہ اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کے آگے "پیش قدمی نہ کرو"، یعنی ان سے آگے بڑھ کر نہ چلو، پیچھے چلو۔ مقدم نہ بنو، تابع بن کر رہو۔ یہ ارشاد اپنے حکم میں سورۃ احزاب کی آیت 36 سے ایک قدم آگے ہے۔ وہاں فرمایا گیا تھا کہ جس معاملہ کا فیصلہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کر دیا ہو اس کے بارے میں کسی مومن کو خود کوئی فیصلہ کرنے کا اختیار باقی نہیں رہتا۔ اور یہاں فرمایا گیا ہے کہ اہل ایمان کو اپنے معاملات میں پیش قدمی کر کے بطور خود فیصلے نہیں کر لینے چاہئیں بلکہ پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت میں ان کے متعلق کیا ہدایات ملتی ہیں۔

یہ حکم مسلمانوں کے محض انفرادی معاملات تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ ان کے جملہ اجتماعی معاملات پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ درحقیقت یہ اسلامی آئین کی بنیادی دفعہ ہے جس کی پابندی سے نہ مسلمانوں کی حکومت آزاد ہو سکتی ہے، نہ ان کی عدالت اور نہ پارلیمنٹ۔ مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ میں یہ روایت صحیح سندوں کے ساتھ منقول ہوئی ہے کہ نبی ﷺ جب حضرت معاذ بن جبل کو یمن کا حاکم عدالت بنا کر بھیج رہے تھے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ تم "کس چیز کے مطابق فیصلے کرو گے؟" انہوں نے عرض کیا "کتاب اللہ کے مطابق"۔ آپ نے پوچھا "اگر کتاب اللہ میں کسی معاملے کا حکم نہ ملے تو کس چیز کی طرف رجوع کرو گے؟" انہوں نے کہا "سنت رسول اللہ کی طرف" آپ نے فرمایا "اگر اس میں بھی کچھ نہ ملے؟" انہوں نے عرض کیا "پھر میں خود اجتہاد کروں گا"۔ اس پر حضور ﷺ نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا "شکر ہے اس خدا کا جس نے اپنے رسول کے نمائندے کو وہ طریقہ اختیار کرنے کی توفیق بخشی جو اس کے رسول کو پسند ہے"۔ یہ اپنے اجتہاد پر کتاب اللہ و سنت رسول کو مقدم رکھنا اور ہدایت حاصل کرنے کے لیے سب سے پہلے ان کی طرف رجوع کرنا ہی وہ چیز ہے جو ایک مسلمان جج اور ایک غیر مسلم جج کے درمیان وجہ امتیاز ہے۔ اسی طرح قانون سازی کے معاملہ میں یہ بات قطعی طور پر متفق علیہ ہے کہ اولین ماخذ قانون خدا کی کتاب ہے اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی سنت۔ پوری امت کا اجماع تک ان دونوں کے خلاف یا ان سے آزاد نہیں ہو سکتا کجا کہ افراد امت کا قیاس و اجتہاد۔

یعنی اگر کبھی تم نے اللہ کے رسول سے بے نیاز ہو کر خود مختاری کی روش اختیار کی یا اپنی رائے اور خیال کو ان کے حکم پر مقدم رکھا تو جان رکھو کہ تمہارا سابقہ اس خدا سے ہے جو تمہاری سب باتیں سن رہا ہے اور تمہاری نیتوں تک سے واقف ہے۔۔

3. وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ۗ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا ﴿36﴾ (سورۃ الأحزاب)

- کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسولؐ کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے اُس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا

**تفسیر: تفہیم الْقرآن:**

یہ آیت اگرچہ ایک خاص موقع پر نازل ہوئی ہے، مگر جو حکم اس میں بیان کیا گیا ہے وہ اسلامی آئین کا اصل الاصول ہے اور اس کا اطلاق پورے اسلامی نظام زندگی پر ہوتا ہے، اس کی رو سے کسی مسلمان فرد، یا قوم، یا ادارے، یا عدالت، یا پارلیمنٹ، یا ریاست کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جس معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے کوئی حکم ثابت ہو اس میں وہ خود اپنی آزادی رائے استعمال کرے۔ مسلمان ہونے کے معنی ہی خدا اور رسول کے آگے اپنے آزادانہ اختیار سے دستبردار ہو جانے کے ہیں۔ کسی شخص یا قوم کا مسلمان ہونا اور اپنے لیے اس اختیار کو محفوظ بھی رکھنا، دونوں ایک دوسرے کی نفی کرتے ہیں۔ کوئی ذی عقل انسان ان دونوں رویوں کو جمع کرنے کا تصور نہیں کر سکتا جسے مسلمان رہنا ہو اس کو لازماً حکم خدا اور رسول کے آگے جھک جانا ہوگا۔ اور جسے نہ جھکنا ہو اس کو سیدھی طرح ماننا پڑے گا کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔ نہ مانے گا تو چاہے اپنے مسلمان ہونے کا وہ کتنا ہی ڈھول پیٹے، خدا اور خلق دونوں کی نگاہ میں وہ منافق ہی قرار پائے گا۔

**تدبر قرآن: الفاظ کی تحقیق اور آیات کی وضاحت**

رسول کا اصلی مرتبہ: اب یہ رسول کا صحیح مرتبہ واضح فرمایا کہ رسول صرف مان لینے کے لیے نہیں ہوتا بلکہ وہ اس لیے آتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔ وہ صرف عقیدت ہی کا مرکز نہیں بلکہ اطاعت کا مرکز بھی ہوتا ہے اس کی حیثیت صرف ایک واعظ و ناصح ہی کی نہیں بلکہ ایک اجب الاطاعت ہادی کی بھی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اذن کے تحت اس کو اس لیے مامور فرماتا ہے کہ لوگ جملہ معاملات میں اس کے احکام کی اطاعت کریں۔ اس لیے کہ اس کی اطاعت ہی بالواسطہ خدا کی اطاعت ہے۔ جو لوگ رسول کو ماننے کا دعوی کرتے ہیں لیکن اس کے سیاسی اقتدار کو تسلیم نہیں کرتے یا اس سے اپنے آپ کو آزاد رکھنا چاہتے ہیں، ان کا دعوائے ایمان جھوٹا ہے۔

ایمان کی بنیادی شرط رسول کی اطاعت ظاہراً و باطناً: اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کی قسم کھا کر فرمایا کہ یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک یہ اپنے درمیان پیدا ہونے والی تمام نزاعات میں تمہی کو حکم نہ مانیں اور پھر ساتھ ہی ان کے اندر یہ ذہنی تبدیلی نہ واقع ہو جائے کہ وہ تمہارے فیصلے کو بے چون وچرا پورے اطمینانِ قلب کے ساتھ مانیں اور اپنے آپ کو بلا کسی استثنا و تحفظ کے تمہارے حوالے کر دیں۔ رسول کی اطاعت خود خدا کی اطاعت کے ہم معنی ہے اس وجہ سے اس کا حق صرف ظاہری اطاعت سے ادا نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے دل کی اطاعت بھی شرط ہے۔ یہاں "فلا وربک" کی قسم کا موقع و محل بھی ملحوظ رہے۔ اس سے صرف رسول کی ظاہری و باطنی اطاعت کی تاکید ہی مقصود نہیں ہے بلکہ یہ منافقین کی جھوٹی قسم

کی، جو آیت 62 میں مذکور ہے، سچی قسم کے ساتھ تردید بھی ہے۔ پھر وربک کے خطاب میں اللہ تعالی کی طرف سے نبی ﷺ کے لیے التفات خاص کی جو دل نوازی ہے اس کی بلاغتوں کا اندازہ تو صرف اہل ذوق ہی کرسکتے ہیں، قلم ان کی تعبیر سے قاصر ہے۔

رسول کا استغفار بمنزلہ شفاعت ہے:" فَاسْتَغْفَرُوا اللهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ: میں ان کے لیے رسول کے استغفار کی جو شرط لگائی گئی ہے اس میں دو پہلو ہیں۔ ایک تو یہ کہ رسول کا یہ استغفار ان کے لیے اس دنیا میں بمنزلہ شفاعت ہے جس سے ان کے اس گناہ عظیم کے بخشے جانے کی توقع ہے، دوسرا یہ کہ رسول کی عدالت کے ہوتے ان کا تحاکم الطاغوت رسول کی صریح توہین ہے اس وجہ سے یہ ضروری ہوا کہ وہ رسول کی رضا اور ان کی دعا بھی حاصل کریں۔ منافقین سوچتے تو ان کو رسول کی برکتوں سے متمتع ہونے کا بڑا موقع حاصل تھا لیکن ان میں سے بہتوں نے اس موقع کی قدر نہیں کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالی نے ان کو اس سے بعد میں محروم کر دیا۔ سورۃ منافقون میں اس کا ذکر اس طرح ہوا ہے۔" وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ وَرَأَيْتَهُمْ يَصُدُّونَ وَهُمْ مُسْتَكْبِرُونَ (5) سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ أَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ لا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (6): اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کا رسول تمہارے لیے سے مغفرت مانگے گا تو وہ اپنی گردنیں موڑ لیتے ہیں اور تم ان کو گھمنڈ کے ساتھ اعراض کرتے دیکھتے ہو، ان کے لیے برابر ہے، تم ان کے لیے مغفرت مانگو یا نہ مانگو، اللہ ان کو معاف کرنے والا نہیں ہے، اللہ نافرمانوں کو بامراد کرنے والا نہیں ہے "(منافقون:5-6)

# احادیث

## 1

حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَحْيَى التَّمِيمِيُّ ، أَخْبَرَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " إِنَّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أَنْ يَكُونَ أَلْحَنَ بِحُجَّتِهِ مِنْ بَعْضٍ، فَأَقْضِيَ لَهُ عَلَى نَحْوٍ مِمَّا أَسْمَعُ مِنْهُ، فَمَنْ قَطَعْتُ لَهُ مِنْ حَقِّ أَخِيهِ شَيْئًا، فَلَا يَأْخُذْهُ فَإِنَّمَا أَقْطَعُ لَهُ بِهِ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ" . مسلم - كِتَاب الْأَقْضِيَةِ

ام المؤمنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”تم میرے پاس جھگڑے لے کر آتے ہو، ہو سکتا ہے تم میں سے کوئی اپنی دلیل کے ہر پہلو کو بیان کرنے کے لحاظ سے دوسرے کی نسبت زیادہ ذہین وفطین (ثابت) ہو اور میں جس طرح اس سے سنوں اسی طرح اس کے حق میں فیصلہ کر دوں، تو جس کو میں اس کے بھائی کے حق میں سے کچھ دوں وہ اسے نہ لے، میں اس صورت میں اس کے لیے آگ کا ٹکرا کاٹ کر دے رہا ہوں گا۔""

فوائد ومسائل: اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے، قاضی یا حاکم کا فیصلہ ظاہر کے مطابق ہوتا ہے، یعنی وہ ظاہری طور پر شاہدوں سے جو کچھ سنتا ہے، اس کے مطابق فیصلہ کر دیتا ہے اور اسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ شاہد جھوٹ بول رہے ہیں، اس لیے جس مدعی نے اپنا دعویٰ جھوٹے شاہدوں سے ثابت کیا ہے، اس کو چونکہ معلوم ہے کہ میں نے جھوٹے گواہ پیش کیے ہیں اور معاملہ کی اصل حقیقت وہ نہیں ہے جو میں نے گواہوں کے ذریعہ ثابت کی ہے، اس لیے اس کو فیصلہ کو اپنے حق میں استعمال نہیں کرنا چاہیے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ اصل حقیقت کو تبدیل نہیں کر سکتا،) حالانکہ اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اصل حقیقت سے آگاہ کر سکتا تھا (تاکہ امت کے سامنے یہ حقیقت واضح رہے کہ عدالت میں جھوٹے گواہ قائم کر کے فیصلہ نافذ العمل ہو گا، لیکن آخرت میں یہ انسان مجرم ٹھہرے گا اور سزا کا مستحق ہو گا.

1. اس کا مقصد یہ اہم مسئلہ بیان کرنا ہے کہ قاضی اور جج ظاہری دلائل کے مطابق فیصلہ کرے گا، اس لیے اگر کسی قاضی یا حاکم وغیرہ نے غلط فیصلہ کر دیا تو غلط ہی ہو گا اور ناجائز بھی۔ کسی بھی شخص کے ناجائز فیصلہ کرنے سے وہ فیصلہ شرعی طور پر جائز قرار نہیں پاتا۔ قاضی، ثالث یا حاکم اور جج وغیرہ کے سامنے جس قسم کے دلائل ہوں گے، وہ انہیں کے مطابق فیصلہ صادر کریں گے، اس لیے ان کے فیصلہ کرنے سے نہ کوئی حرام کام حلال قرار پائے گا اور نہ حلال کام حرام ہی ہو گا بلکہ اس کا وبال غلط دلائل مہیا کرنے والے کے سر ہو گا۔

2. باطل پر ڈٹ جانا، نیز باطل کی حمایت اور وکالت کرنا شرعاً حرام اور ناجائز ہے۔ جو وکیل ناجائز اور باطل کیس لڑتا ہے اور ان کا معاوضہ لیتا ہے، وہ خود بھی حرام کھاتا اور اپنے اہل عیال کو بھی حرام ہی کھلاتا ہے۔ أعاذنا اللہ منه

3. اس حدیث مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بڑے سے بڑا مجتہد بھی غلطی کر سکتا ہے اور اس کی غلطی شرعاً غلطی ہی ہو گی، ظاہر دلائل کی وجہ سے وہ چیز حقیقت میں حلال یا حرام نہیں ہو گی، تاہم مجتہد کو اپنے اجتہاد اور کوشش کرنے کا اجر وثواب ضرور ملے گا بشرطیکہ اس نے جان بوجھ کر غلطی نہ کی ہو۔ جانتے بوجھتے غلطی کرنے والا تو گناہ گار ہو گا۔

## 2

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ ، قَالَ: كَتَبَ أَبِي وَكَتَبْتُ لَهُ إِلَى عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرَةَ وَهُوَ قَاضٍ بِسِجِسْتَانَ، أَنْ لَا تَحْكُمَ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَأَنْتَ غَضْبَانُ، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: " لَا يَحْكُمْ أَحَدٌ بَيْنَ اثْنَيْنِ وَهُوَ غَضْبَانُ ". مسلم - كِتَاب الْأَقْضِيَةِ

**حضرت ابو بکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن سے سجستان کے قاضی عبید اللہ بن ابی بکرہ کو لکھوایا کہ دو فریقوں کے درمیان فیصلہ غصہ کی حالت میں نہ کرنا، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے: ”تم میں سے کوئی دو فریقوں کے درمیان، غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔“**

فوائد ومسائل: اس سے مراد یہ ہے کہ قاضی کو اس حالت میں فیصلہ نہیں کرنا چاہیے، جس میں وہ صحیح غور وفکر نہ کر سکے اور اس کا مزاج اعتدال پر قائم نہ رہ سکے، مثلاً اس کو بہت زیادہ بھوک ستا رہی ہو یا پیٹ انتہائی بھرا ہو، پیاس کا غلبہ ہو، بہت زیادہ غم وحزن ہو یا بہت زیادہ خوش ہو یا اس کا دل ودماغ کسی اور مسئلہ میں الجھا ہوا ہو اور حالت غضب کی تخصیص، بقول حافظ ابن حجر اس لیے کی ہے کہ وہ نفس پر غلبہ پا لیتا ہے، جس کی وجہ سے اس کا مقابلہ مشکل ہو جاتا ہے، اس لیے وہ حق سے تجاوز کر سکتا ہے۔ البتہ معمولی غصہ جو کسی مجرم کا جرم سننے سے فطرتاً آ جاتا ہے، فیصلے سے مانع نہیں۔ غصے کے علاوہ بھی جو چیز سوچنے سمجھنے کی صلاحیت پر اثر ڈالے ان کا حکم بھی غصے والا ہی ہے۔ بہتر ہے کہ فیصلہ مقدمے کی سماعت سے الگ مجلس میں لکھا جائے تاکہ وقتی جذبات اثر انداز نہ ہو سکیں۔